© rasailojaraid.com





# عارضی حکومتِ ہند میں
# مولانا برکت اللہ بھوپالی کا کردار

———— پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ہندوستان کی انگریزوں کی غلامی سے آزادی کی تحریک کی دو سطحیں تھیں: مجاہدین کا ایک طبقہ ملک کے اندر رہ کر آزادی کی جدوجہد جاری رکھنا چاہتا تھا۔ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ دنیا کے مختلف ممالک میں رہ کر آزادی کی تحریک چلائی جائے۔ دونوں طبقات نے حالات وواقعات اور اسباب وعوامل کی بنا پر یہ مختلف اندازِ فکر اپنایا تھا۔ ان دونوں کے اپنے اپنے دلائل بھی تھے اور ان میں کافی وزن، معنی خیز معقولیت اور صحیح واقعیت بھی تھی۔ ان کے دلائل اور نقاطِ نظر سے اس وقت بھی اختلاف کیا گیا اور اب بھی کیا جاتا ہے، مگر انہیں نظر انداز کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

مولانا محمد برکت اللہ بھوپالی (۵۹-۱۸۵۸-۲۷/ستمبر۱۹۲۷ء) ابن محمد شجاعت اللہ بھوپالی کا تعلق دوسرے طبقے سے تھا جو ملکی سرحدوں کے باہر غیر ممالک کے وسیع و عریض میدانوں میں تحریکِ آزادی چلانے کے حق میں تھے۔ ان کی جدوجہد آزادی کی ایک زمینی واقعیت بھی تھی۔ بہت سے ہندوستانی طبقات دنیا کے مختلف ملکوں میں آباد تھے۔ وہ گوناگوں سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تہذیبی اسباب سے اپنے پسندیدہ نئے وطنوں میں رہنے پر مجبور تھے۔ ان اسباب وعوامل کی بنا پر وہ اپنی تحریکِ آزادی کی کوششیں اپنے اپنے علاقوں میں چلانے پر مجبور بھی تھے۔

ان غیر ملکی ہندوستانیوں کی اپنے پیارے وطن سے محبت اور انگریزی استبداد سے نفرت ملکی اور ہندی مجاہدین آزادی سے کسی طرح کم، فروتر اور بے معنی نہیں تھی، جیسا کہ آج بعض حلقوں میں سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کی جدوجہد آزادی محض نعرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وجلوس بازی ، پروپیگنڈے اور عام پر چار کے گرد بھی نہیں گھومتی تھی ۔ ایک ہی نہیں ، متعدد اعتبارات سے ان آزادی کے جیالوں کی مساعی ملکی مجاہدینِ آزادی سے کہیں زیادہ معنی خیز و تابندہ تر ہے۔ غریب الوطنی کی مشکلات ، مالی دقتوں ، غیر ملکی حکومتوں کی پابندیوں نے سلطنتِ برطانیہ کے استبداد کو چند در چند بڑھا دیا تھا۔

مولانا محمد برکت اللہ بھوپالیؒ کی جدوجہدِ آزادی عالمی تھی اور کسی جغرافیائی حدود کی پابند نہ تھی۔ وہ انگلستان ، امریکہ ، جرمنی ، جاپان ، روس ، ترکی اور افغانستان وغیرہ کے سیاسی اور فوجی میدانوں میں جاری تھی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مادی جسم اور بشری صفات کے لحاظ سے دنیائے سیاست کے چند حصوں میں محدود تھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی جدوجہدِ آزادی کی جہات واطراف اور اثرات کے اعتبار سے پورے عالم میں کارگزار و کارفرما تھے۔ انھوں نے بیسویں صدی عیسوی کی اولین چوتھائی میں اقصائے عالم کی طنابیں کھینچی تھیں اور تمام طاقتوں سے ربط استوار کیا تھا۔

ان کی جدوجہدِ آزادی کی جہات بھی بے پایاں و بے کراں تھیں۔ وہ کسی خاص تحریک کے ساتھ وابستہ نہ تھے، بلکہ جہاں اور جب ان کو کسی بھی تحریکِ آزادی نے طلب کیا وہ اس کے ساتھ نہ صرف شریک ہوگئے ، بلکہ اس کے سب سے فعال ، کارگر اور مرکزی داعی ، کارکن اور منصب دار بنے ۔ انھوں نے اپنی ذات اور اس کے تقاضوں کو آزادی کی قربان گاہ پر تج دیا تھا۔ وہ مشہور مجاہد آزادی شیاماجی کرشنا ورما کی خفیہ تحریک میں شریک ہوئے ۔ انگلستان اور امریکہ کی دوسری خفیہ تحریکات میں حصہ لیا۔ امریکہ کی ہندی ایسوسی ایشن کے ایک اہم رکن اور سربراہ بنے۔ پھر غدر پارٹی کے نائبِ صدر کی حیثیت سے کام کیا۔ چمپک رمن پلے کی انٹرنیشنل پرو انڈین کمیٹی کے ایک عہدے دار رہے۔ اسی کی شاخ انڈین نیشنل پارٹی میں ذمہ داری سنبھالی۔ انڈو ۔ جرمن ۔ ترک مشن کے ممبر بن کر کارہائے نمایاں انجام دئے ۔ جنودِ ربانیہ میں لفٹننٹ جنرل کا اہم فوجی منصب سنبھالا ، اور بالآخر وہ افغانستان میں پہلی عارضی حکومتِ ہند کے وزیرِ اعظم بنے۔ ان کی سرگرمیوں اور کارناموں کا یہ تشنہ بیان ہے۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



برکت اللہ بھوپالی کی آزادی کی کوششوں کا محور مختلف قسم کی پارٹیاں، جماعتیں اور تنظیمیں نہیں تھیں۔ یہ تو دراصل ان کی آزادی کی بے کنار تڑپ اور بے کراں ولولہ تھا جو ان کو ہر ایک تحریکِ آزادی سے وابستہ اور ہر ایک مجاہد ورہنمائے حریت سے پیوستہ کر دیتا تھا۔ ورنہ وہ اپنی ذات میں سیماب فطرت اور آزادیٔ وطن کے متوالے تھے۔ ذاتی حیثیت میں انھوں نے بہت سے کام کیے، ان میں جرائد و رسائل اور کتب کی تالیف بھی شامل تھی اور پرچار اور پروپگنڈے کے دوسرے ان گنت کارنامے بھی۔ ایک مختصر مضمون میں سب کا احاطہ کرنا ناممکن ہے، اس لیے عارضی حکومتِ ہند میں ان کے کردار پر ارتکاز کیا جاتا ہے۔

## عارضی آزاد حکومتِ ہند کا پس منظر

سیاسی اور فوجی اسباب سے جرمن حکومت کو ہندوستانی تحریکاتِ آزادی سے خاص دل چسپی تھی۔ وہ اپنے حدودِ سلطنت میں موجود ہندی تحریکات جیسے برلن کمیٹی وغیرہ کی بطور خاص ہمت افزائی کرتی تھی اور مالی امداد بھی دیتی تھی۔ پہلی جنگِ عظیم میں جرمنی کا اصل اور بنیادی ٹکراؤ برطانوی سلطنت سے ہی تھا۔ پھر فریقین کے حلیف و معاون بنتے گئے۔ جرمنی اور ترکی کی عثمانی سلطنت میں اسی خاطر سیاسی فوجی اتحاد ہوا۔ مخالفِ برطانیہ عناصر میں ہندی تحریکات آزادی خاصی جان دار اور ولولہ خیز ہونے کے علاوہ وہ جرمنی کے سیاسی اور فوجی مفادات میں بڑی حد تک ممد و معاون بن سکتی تھیں۔

ہندی تحریکات آزادی اور ان کے رہنماؤں بالخصوص غیر ملکی مجاہدوں کو غاصب و ظالم سلطنتِ برطانیہ کے خلاف ایک طاقت ور سیاسی و فوجی حلیف جرمنی کی شکل میں مل گیا تھا۔ وہ 'دشمن' کی مدد سے اپنے وطن کو انگریز کی غلامی سے آزاد کرانے کی امیدیں پالنے لگے۔ جرمنی چونکہ ایک ملک گیر اور جہاں گیر سلطنت نہ تھی اس لیے دوسری غلامی کا خطرہ بھی نہ تھا۔ ترکی کی عثمانی سلطنت کے اتحاد نے ان کو ایک آزاد اسلامی طاقت کی معاونت وامداد و تعاون کا اطمینان بھی بخشا تھا۔ پھر وہ ان طاقت ور عالمی حلیفوں کے زیر سایہ روسی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سلطنت کے تعاون وامداد کے امکانات بھی دیکھ رہے تھے۔

انہی سیاسی، فوجی اور تہذیبی اسباب سے جرمنی کے ہندی انقلابیوں نے افغانستان کی آزاد سلطنت سے تعلقات استوار کیے۔ افغانستان کا انتخاب فوجی اور جنگی لحاظ سے بھی بہت اہم تھا کہ وہ برطانوی ہند کے سر پر واقع تھا۔ جغرافیائی قربت کے علاوہ وہ افغان حریت اور جدو جہد آزادی کا ناقابل تسخیر مرکز تھا جس نے کبھی غلامی تسلیم نہیں کی۔ جرمن۔ترک اور ہندی اتحاد نے بجا طور سے یہ تجزیہ کیا کہ افغانستان کے ناقابل تسخیر قلعہ سے وہ برطانوی سلطنت اور اس کے استعمار پر کاری ضرب لگا سکیں گے۔ نہ صرف آزادی کی تڑپ، بغاوت کے شعلے پیدا کر کے، بلکہ وہ فوجی حملوں کے ذریعہ بھی برطانوی استعماریت کے قلعہ میں شگاف ڈال سکیں گے۔ ان کا فوجی اور سیاسی مقصد دوگانہ تھا: پروپیگنڈے اور پرچار کے ذریعے ہندوستان کے اندرون و اطراف میں بغاوت پیدا کرنا اور موقعہ پر سرحدوں سے فوجی حملے کرنا۔

انہی سیاسی اور فوجی مقاصد سے انڈو۔جرمن۔ترک مشن جرمنی میں ترتیب دیا گیا۔ وہ صرف انڈو جرمن مشن نہیں تھا۔ جرمنی کے ماہرین سیاست و منصب دارانِ افواج۔ جرمن چانسلر بی ہالویگ (B.Hollweg)، وزیر خارجہ بیرن فان واسنڈونک (Baran Von Wasandonk) ان کے جانشین و نائب وزیر خارجہ زمرمین (Zimmerman) اور قیصر ولیم دوم کے علاوہ فیلڈ مارشل پال فان ہنڈن برگ (Paul Von Hindenburg) اور سکنڈ کمانڈر ایرخ لوڈن ڈروف (Erich Ludendraff) اور جنرل ہوف مان (Haffimann) وغیرہ کے مشوروں کے بعد ترتیب دیا گیا۔

پھر ترکی کی عثمانی سلطنت سے بھی اخلاقی، سیاسی اور فوجی امداد و معاونت کا منصوبہ بنایا گیا اور وہ بھی جرمن اشارے پر، کیونکہ جرمنی ترکی کا حلیف بھی تھا اور دوسرے مشن کے گذرنے کے راستوں میں بعض علاقے جیسے رومانیہ وغیرہ ترکی سلطنت کے ماتحت تھے اور جو بہرحال جرمن دوست نہیں تھے۔ لیکن اس سے زیادہ ایک مسلم آزاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سلطنت کے فوجی اقتدار کا تعاون حاصل کرنا مقصود تھا اور اس طرح انڈو جرمن / ہند جرمن مشن کی سیاسی اور حکمت عملی کی جہات میں خاطر خواہ اضافہ ہو جاتا۔

مولانا برکت اللہ بھوپالی کو ترکی سلطنت سے گفت و شنید کر کے اس مشن اور منصوبے میں شامل کرنا طے پایا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مولانا بھوپالی کے عثمانی سلطنت سے قریبی دوستانہ تعلقات تھے جو ۱۹۱۱ء سے پائیدار چلے آرہے تھے۔ ترکی رہنمایانِ قوم کے علاوہ حکومت کے کارگذار اور عمال بھی مولانا بھوپالی کے جذبہ حریت، بے مثال ولولے اور بے کراں خلوص سے واقف تھے۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی اپنے مشنِ ترکی کے خاص رفقاء کے ساتھ ۵/اپریل ۱۹۱۵ء کو برلن سے ترکی کے لئے روانہ ہوئے۔ انھوں نے اپنے سفر کے تمام مقامات - ویانا، ہنگری، بوڈاپسٹ، بخارست، صوفیہ وغیرہ- میں اپنی تحریک کے لیے معاونت حاصل کی، بالخصوص مصر کے معزول خدیو عباس حلمی پاشا اور ان کے رفقاء کا تعاون ویانا میں حاصل کیا۔ ان کے علاوہ دوسرے برطانیہ مخالف عناصر نے ان کو ہر طرح کی اخلاقی، سیاسی، مالی اور فوجی امداد دینے کا وعدہ کیا۔ ترکی پہونچتے پہونچتے مولانا بھوپالی نے خاصی زمین ہموار کر لی۔

ترکی میں مولانا برکت اللہ بھوپالی نے خلیفہ عثمانی۔ سلطان محمد۔ کے علاوہ تمام امرائے سلطنت سے ملاقات کی جن میں وزیر اعظم حلمی پاشا، وزیر جنگ انور پاشا اور ان سب سے زیادہ اہم ولی عہد سلطنت وحید الدین خاں شامل تھے۔ مولانا موصوف نے نہ صرف ان کی حمایت حاصل کی، بلکہ افغانستان کے امیر اور دوسرے مسلم والیانِ ریاست کے نام خطوط و مراسلات حاصل کیے۔ ان میں تحریک آزادی کی حمایت کی درخواست کی گئی تھی۔ مولانا کی درخواست پر ترکی کے نمائندے بھی اس مشن میں شامل ہو گئے اور جرمن ڈاکٹر فان ہنٹنگ (Von Henting) کے مشورے پر فوجی حکام کے نام سہولیات کے پروانے حاصل کئے۔ شیخ الاسلام ترکی کے مراسلے نے دینی حمایت کا رخ بھی طے کر دیا۔

''ہندوستانی۔ ترکی۔ جرمن مشن ۲/اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچا اور حکومت



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



افغانستان کی طرف سے 'بابر باغ' کے شاہی مہمان خانے میں فروکش ہوا[1]"۔ حکومتِ افغانستان میں ماموریت ترک ڈاکٹر منیر بے محض شاہی افسر و ڈاکٹر نہیں تھے، بلکہ وہ رابطہ کی کڑی تھے۔ انہی کے اسپتال میں مشن کے ارکان اور افسران کی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ امیر افغانستان حبیب اللہ خاں 'انگریز نواز شخص' تھے جب کہ ان کے چھوٹے بھائی اور وزیر اعظم سردار نصر اللہ خاں کٹر انگریز دشمن تھے۔ سردار نصر اللہ مولانا برکت اللہ بھوپالی کے دوست بھی تھے اور معاون بھی۔ ان ہی کی کوششوں سے والی افغانستان ان کے حامی بنے۔[2]

متعدد ملاقاتوں اور نشستوں میں بحث و مباحثہ کے بعد امیر افغانستان اور حکومت ملکی نے انقلابی تحریک کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ جرمن وفد کے ارکان ڈاکٹر فان ہنٹنگ اور فان ٹیڈر مائر نے اپنی حکومت سے فوجی، مالی اور اخلاقی امداد دلانے کا پکا وعدہ کیا۔ انہوں نے حکومتِ افغانستان کو یہ بھی یقین دلایا کہ اگر تحریک آزادیٔ ہند کی امداد و تعاون کی پاداش میں سلطنتِ برطانیہ یا ہندوستان کی حکومت نے افغانستان پر حملہ کیا تو وہ افغانستان کی فوجی مدد کریں گے۔ ترکی حکومت کے نمائندوں نے بھی اپنی حکومت کی طرف سے ایسے ہی وعدے کیے۔

افغانستان کو تحریکِ انقلاب کا ساتھ دینے اور ہندوستانی انقلابیوں کی مدد کرنے کے بدلے میں یہ یقین دلایا گیا کہ "ہندوستان آزاد ہونے پر ہم آپ کی خواہش کے مطابق بلوچستان اور فارسی بولنے والے وسط ایشیا کا علاقہ آپ کے حوالے کر دیں گے"۔ یہ یقین دہانی رئیس وفد کی حیثیت سے راجہ مہندر پرتاپ نے افغانستان کو کرائی تھی جس کا ذکر راجہ صاحب موصوف نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں کیا ہے اور دوسرے مآخذ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ دراصل صوبۂ سرحد کے کچھ شمالی مغربی علاقوں پر افغانستان کا دعویٰ مدتوں سے چلا آ رہا تھا، بلکہ مغل دور سے یہ متنازعہ امر رہا تھا۔ ہند۔ جرمن۔ ترک مشن کے ساتھ ہی مولانا عبید اللہ سندھی بھی کابل پہونچے تھے۔ ان کی آمد

---

[1] عرفان، ص ۱۵۸

[2] عرفان مذکورہ بالا و مابعد، سرگذشت کابل، ص ۱۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہندوستان میں تحریکِ انقلاب کے قائد شیخ الہند مولانا محمود حسن کے حکم سے ہوئی تھی اور وہ حضرت موصوف کا ایک منصوبۂ انقلاب لے کر وہاں پہونچے تھے۔ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو مولانا سندھی کے ورود اور تعاون نے افغانستان میں انقلابی تحریک کو ایک نئی جہت سے روشناس کر دیا۔ یہ جہت دینی جہاد کی تھی۔ ریشمی رومال کی تحریک کے کارکنوں کے علاوہ بہت سی دوسری چھوٹی بڑی اسلامی جہاد کی داعی جماعتیں بھی اس انقلابی تحریک میں شامل ہوگئی تھیں۔ ان میں ایک اہم جماعت جماعت مجاہدین تھی جس کا مرکز اسمس Asmas کے گاؤں علاقہ بنیر Buner میں ہے۔ اس جماعت کی بنیاد ۱۸۳۲ء میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی ...'' نے ڈالی تھی۔[۱]

## عارضی حکومتِ ہند کا قیام

اردو مآخذ میں بالعموم اس کے لئے 'حکومتِ موقتۂ ہند' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ جب کہ انگریزی میں وہ ہے: Provisional Government of India موجودہ دور میں اس کو عارضی حکومت ہند کہنا زیادہ موزوں ہے۔ سیاسی اور قانونی لحاظ سے حکومتِ افغانستان ہندی مشن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں کر سکتی تھی، اس لیے کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہ تھی۔ جب کہ ترکی اور جرمن ارکانِ وفد اپنی اپنی حکومتوں کی جانب سے معاہدے کرنے کے مجاز بھی تھے اور ان کی قانونی منزلت و وقار بھی تھا۔ شیخ الہند کی تحریک بھی انقلابیوں اور باغیوں کی نمائندہ تھی۔ اس کا سیاسی اور قانونی مقام و مرتبہ بھی ہندی مشن ہی کی مانند تھا۔

ان تمام اسباب وعوامل کی بنا پر'' انقلابی کونسل کا آخری ہنگامی اجلاس ۲۹/ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو آقائے عبدالرزاق خاں کے دولت کدہ پر منعقد ہوا، جس میں ہندوستان کی متوازی حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حکومت کے دفاتر کے لئے مخصوص مقامات دئے گئے اور یکم ستمبر ۱۹۱۵ء کو متوازی حکومتِ ہند، یعنی حکومت موقتہ ہند کا اعلان کر دیا گیا،

---

۱؎ عرفان، ص ۱۶۹



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جس پر راجہ مہندر پرتاپ کے دستخط تھے۔ ہندوستان کی اس متوازی حکومت میں راجہ مہندر پرتاپ کو تاحین حیات صدر منتخب کیا گیا، مولانا پروفیسر برکت اللہ بھوپالی کو وزیر اعظم اور مولانا عبید اللہ سندھی کو وزارت داخلہ سونپی گئی۔ ترکی کپتان کاظم بے کو عارضی طور پر وزیر دفاع مقرر کیا گیا اور بہت سے ہندوستانی طلباء، جو صف مجاہدین میں داخل تھے، اس حکومت میں سکریٹریز مقرر ہوئے اور محمد علی جنرل سکریٹری بنائے گئے ...اور محمد علی جب دوسرے کاموں پر ہندوستان وغیرہ بھیجے گئے تو ظفر حسن جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ اور راجہ مہندر پرتاپ کے سکریٹری اللہ نواز خاں مقرر ہوئے"۔[1]

عارضی حکومتِ ہند کا نظام ایک جمہوری ملک کی مانند تھا، مگر اس پر بہر حال برطانوی انتظامیہ کا پورا اثر دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے ارکانِ حکومت اور کارکنانِ دولت تھے جن کا ذکر مختلف مقامات پر اور مختلف حوالوں سے بہر حال ملتا ہے۔ تجزیہ بتاتا ہے کہ عارضی حکومتِ ہند کا نظام صرف ایک سیاسی ڈھانچہ کھڑا کرنا نہیں تھا۔ تاکہ اسے قانونی وسیاسی منزلت دی جاسکے، بلکہ یہ انقلابی حکومت ہندوستان کو آزاد کرانے کی خاطر قائم کی گئی تھی، لہٰذا اس کے پاس سیاسی، فوجی اور حکومتی منصوبوں کا ایک وسیع تر تصور بھی تھا اور بعد کے واقعات نے اس تصور کو خالص ٹھوس بنیادوں پر لائحۂ عمل میں ڈھال دیا تھا۔

امیرِ افغانستان حبیب اللہ اور ان کے انگریز نواز حامی عناصر، ولی عہد امان اللہ خاں اور دوسرے انگریز مخالف سرداروں اور جماعتوں کے دباؤ میں آزادئ ہند کی تحریک اور عارضی حکومتِ ہند کی فوجی، مالی اور سیاسی حمایت تو کر بیٹھے تھے، لیکن ان کو انگریزی سلطنتِ ہند سے خاصے خطرات تھے اور وہ اپنے تاج وتخت کو بچانے کی خاطر کچھ ایسے پر جوش بھی نہ تھے۔ واقعات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ وہ بہر حال برطانوی حکومتِ ہند سے اچھے تعلقات رکھنا چاہتے تھے، کیوں کہ ان پر انگریزوں کا بھی دباؤ تھا۔ افغانی سیاست میں

---

[1] عرفان، ص ۱۶۳-۶۴؛ سرگذشت کابل، ص ۱۷۳ میں قیام عارضی حکومت کا شرف مولانا سندھی کو دیا گیا ہے؛ نیز دوسرے صفحات ۱۱۲-۱۱۳ و مابعد؛ عرفان، ص ۲۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



گروہ بندی اور مفادات کے تحت ریشہ دوانی نے عارضی حکومتِ ہند کے لئے کافی مشکلات پیدا کردی تھیں ۔[۱]

دوسری طرف جرمن ارکان کو راجہ مہندر پرتاپ اور ان کے بعض سیاسی رہنماؤں اور پیروؤں کی پالیسی سے بھی اختلاف تھا۔ یہ اختلاف اس وقت ابھر کر اور سامنے آیا جب جرمن فوجی امداد اور اس کے استعمال کے مراکز کے انتخاب کا مسئلہ کھڑا ہوا، ہندی ارکانِ وفد بالخصوص راجہ موصوف نے جرمن حکومت اور فوجی ماہرین کو یقین دلایا تھا کہ بنگال کے انقلابی سب سے پر جوش ہیں اور وہیں سے فوجی کارروائی کی جانی مناسب ہوگی۔ اس یقین دہانی پر جرمن حکومت نے کافی فوجی ساز و سامان بنگال بھیجا۔ لیکن اس کا صحیح استعمال نہیں ہوا اور جرمن ماہروں کو اس کا کافی ملال ہوا۔ وہ بنگالیوں کو کاغذی شیر زیادہ سمجھتے تھے ۔[۲]

افغانستان کو فوجی مرکز یا سیاسی محور اس لئے بنایا گیا تھا کہ اس کے ملحقہ علاقے صوبہ سرحد وغیرہ جنگی کارروائیوں کے لحاظ سے بہت اہم علاقے تھے اور ان میں آباد مسلمان قبائل جنگجوئی اور آزادی کا کافی تجربہ رکھتے تھے۔ جرمن فوجی ماہرین نے جب موقعہ پر افغانستان اور اس کے ملحقہ سرحدی علاقوں کی جنگی اہمیت کا تجزیہ کیا تو وہ اس سے تو متفق ہوگئے کہ ان سے بہترین جارحانہ کارروائی کی جاسکتی ہے کہ وہ جنگی چالوں اور فنِ حرب کے لحاظ سے بہترین قلعے ہیں، لیکن ان علاقوں میں جنگی تیاری، وہاں کے لوگوں کی عملی تربیت اور فوجی کاہلی دیکھ کر وہ بہت مایوس ہوئے اور واپس جرمنی چلے گئے ۔[۳]

مولانا برکت اللہ بھوپالی کے سامنے ایک وسیع ترین ایشیائی اتحاد کا نقشہ تھا جو وہ

---

[۱] عرفان، مذکورہ بالا و مابعد؛ سرگذشت کابل، ص ۱۰۳ ''ہندوستانی مشن کو اپنے مطلب میں کامیابی نہ ہوئی اور اعلیٰ حضرت اپنے ملک کو جنگ میں ڈھکیلنا نہیں چاہتے تھے، کیوں کہ انگریزوں سے انھیں بہت کچھ مراعات کی توقع تھی'' نیز ص ۱۱۵ وغیرہ

[۲] سرگذشت کابل، ص ۹۴-۹۵ و مابعد؛ ص ۱۰۳: ''اس کے مقابل فریق ثانی (یعنی ترک اور جرمن) کوئی تسلی بخش پروگرام نہ بنا سکا اور ممبروں کا اختلاف سونے پر سہاگے کا کام دے گیا۔''

[۳] سرگذشت کابل، ص ۸۳؛ محمد مظفر عالم، ص ۹۲



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بروئے کار لانا چاہتے تھے۔ دوسرے ارکانِ حکومت بالخصوص راجہ مہندر پرتاپ صرف افغانستان، ترکی، جرمنی اور روس کے عالمی اتحاد کا منصوبہ رکھتے تھے۔ ترکی بھی مولانا بھوپالی کی تحریک اور جرمنی کی پرزور تائید کی بنا پر اس عالمی انگریز مخالف اتحاد کا ایک رکن بنایا گیا تھا۔ عارضی حکومتِ ہند کی بہرحال متفقہ رائے اور دوررس منصوبے کے تحت ایک مشن روسی حکومت کی امداد حاصل کرنے کے لئے بھیجا جانا طے پایا۔ اس کے ارکان کے انتخاب پر بھی اندرونی اختلاف کا پتا چلتا ہے۔ راجہ مہندر پرتاپ نے بحیثیت صدرِ حکومت ڈاکٹر متھرا سنگھ کا انتخاب کیا جو ایک زمانے میں غدر پارٹی کے ممبر رہ چکے تھے اور ہندوستان میں انقلابی تحریکوں کے فعال رکن تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے باصرار ڈاکٹر خوشی محمد کا نام بھی شامل کروایا اور ان کے ساتھ ایک سکھ اور ایک افغان کو بطور خدمت گار اور معاون مقرر کیا گیا۔ مولانا سندھی نے اپنی 'سرگذشت کابل' میں شکوہ کیا ہے کہ راجہ موصوف مسلمان مجاہدین کو صرف مشورے میں شریک اور محاذ کی عملی کارروائیوں سے دور رکھنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا تھے، کیوں کہ ان کے سیاسی گرو مالوی جی کا یہی خیال تھا۔ مولانا موصوف راجہ موصوف اور مالوی جی کے بارے میں ہندوانہ تعصب اور مسلم بے زاری کا بھی کھل کر الزام لگاتے ہیں۔

"... اصل میں راجہ مہندر پرتاپ مالوی جی کا آدمی تھا، اور وہ اس مقصد کے لیے وہاں رکھا گیا تھا کہ اگر افغانستان ہندوستان پر حملہ کرے تو راجہ مہندر پرتاپ مالوی جی کو خبر کردے ..."[۱]

"ہمارے راجہ صاحب ہیومینیٹرین (Humanitarian) یعنی صلح کل ہیں اور اسی کا پروپیگنڈا کرتے ہیں، لیکن اعلیٰ انسانیت کا معیار ان کے ذہن میں ایک کٹر ہندو سیاسی سے اونچا نہیں ہے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی کوئی ہستی نہیں ہے .. ان کا مطلب تھا کہ ہندو بھی ہندوستان کو آزاد کرائیں گے اور خود حکومت کریں گے اور یہی پروپیگنڈا کرتے تھے کہ مسلمانوں کا علحدہ کوئی وجود نہیں ہے..."[۲]

---

۱۔ سرگذشت کابل، ص ۸۲، ۸۶
۲۔ سرگذشت کابل، ص ۸۳-۸۴



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



”... میں جانتا تھا کہ متھرا سنگھ کٹر ہندو ہے اور اس میں اتنے بڑے کام کی صلاحیت بھی نہیں ہے۔ اس لئے میں نے کہا کہ ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ ایک نوجوان مسلمان بھی ہونا چاہئے۔ لیکن راجہ صاحب نے جو پریسیڈنٹ حکومت موقتہ ہند کے تھے، میری ترمیم کو پسند نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ کام صرف ہندو کریں اور مسلمان محض مشورے کے لئے شریک کرلئے جائیں، لیکن میں چاہتا تھا کہ عملی کاموں میں بھی مسلمان شریک رہیں۔ اس پر سخت مباحثہ ہوگیا.. ہم نے ...ڈاکٹر خوشی محمد کو منتخب کیا، وہ ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ دوسرا ممبر قرار پایا...“[۱]

بہر حال اندرونی اختلافات کو سلجھا کر یہ مشن روس بھیجا گیا اور اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور روسی حکومت سے ایک فوجی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے الفاظ اور ان کے شارح عبداللہ لغاری کے مطابق یہ معاہدہ ہوا ”چونکہ حکومتِ موقتہٴ ہند کے پریسیڈنٹ راجہ صاحب تھے اس لئے ان معاہدات پر دستخط بھی راجہ صاحب کے ہوتے اور مولانا بحیثیت پرائیویٹ سکریٹری کے ہوتے اور کابل کانگریس کے صدر مولانا سندھی تھے ...اور معاہدہ گویا کابل کانگریس کمیٹی اور روس کے درمیان تھا اور حکومتِ موقتہٴ ہند کے درمیان بھی تھا جس کے صدر مولانا ہوگئے تھے [بعد میں]۔ وہ معاہدہ اس طرح تھا کہ اگر دوبارہ افغانستان اور انگریزوں کے درمیان جنگ چھڑی تو روسی سلطنت ہم کو ایک لاکھ فوج کی مدد دینا منظور کرے اور ایسا وعدہ روس نے ہم سے بھی کرلیا تھا...“۔[۲]

مولانا سندھی نے مختلف یادداشتوں میں اور ان کے شارح مولانا لغاری نے متعدد شرحوں میں بہ تکرار روس جانے والے وفد اور اس کے کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ اس میں مولانا سندھی کے رول، راجہ مہندر پرتاپ کے کردار اور مولانا بھوپالی کے کام پر بھی تبصرے کیے ہیں اور روسی سالار ٹرٹسکی (Trotsky) وزیر خارجہ چچرن، وزیر اعظم اسٹالن (Stalin) وغیرہ کے متفقہ وعدوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندوستان

---

۱؎ سرگذشت کابل، ص ۱۰۷-۱۰۸، ص ۱۴۴-۱۴۵ و مابعد، ۱۷۲-۱۷۶

۲؎ سرگشت کابل، ص ۸۸؛ ..” پھر لینن جو پریسیڈنٹ تھا اس سے اجازت لی۔ اس نے وعدہ کیا کہ بوقت ضرورت ایک لاکھ فوج کی امداد افغانستان کو دی جائے گی۔“ ایضاً ص ۹۰؛ ۲۲۱ و مابعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے بعض چوٹی کے رہنما کمیونسٹ حکومت کی فوجی وسیاسی امداد لینے سے گھبرا رہے تھے۔ مولانا سندھی نے ان میں لالہ لاجپت رائے جیسے انقلابی رہنما کے تحفظات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ''...میں نے کہ ہم روسی سلطنت کی طاقت سے ہندوستان کو آزاد کرانا چاہتے ہیں تو لالہ لاجپت رائے کہنے لگے کہ خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔ یہ کمیونسٹ لوگ ہندوستان کو تباہ و برباد کردیں گے ...''[1] اس بیان کی وضاحت ضروری ہے۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی اور راجہ مہندر پرتاپ کا روسی وفد اولین وفد تھا جو عارضی حکومتِ ہند کی طرف سے زار روس کے زمانے میں گیا تھا۔ مولانا سندھی نے بعد میں انقلابِ روس کے رہنماؤں سے بھی ایسا ہی معاہدہ کیا جو دوسرا تھا۔[2]

ہندوستان پر انگریزی تسلط ختم کرنے کی غرض سے افغانستان کی عارضی حکومت ہند نے ایک ایشیائی عالمی محاذ بنانے کا منصوبہ بنایا تھا اس کے بنیادی معمار و ذہن ساز مولانا برکت اللہ بھوپالی ہی تھے۔ انہی کی تجویز پر ایک مشن جاپانی حکومت سے بات چیت کرنے اور کامیابی کی صورت میں سیاسی وفوجی معاہدے کرنے کے لیے گیا، کیوں کہ ''وہ اپنے سابقہ چھ سالہ قیامِ ٹوکیو کی بنا پر بہت اچھے توقعات رکھتے تھے، لہٰذا تاشقند سے واپسی پر ایک مشن روس کے راستے جاپان کو بھیجنے کا فیصلہ کیا۔... جاپانی مشن میں شیخ عبدالقادر اور ڈاکٹر متھرا سنگھ نامزد ہوئے''۔[3]

لیکن یہ مشن ناکام رہا اور منزل مقصود تک نہ پہونچ سکا۔ زار شاہی نے انگریزوں سے پہلے ہی سازش کر رکھی تھی۔ انھوں نے ڈاکٹر متھرا سنگھ اور شیخ عبدالقادر کو پکڑ کر انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اول الذکر کو پھانسی اور شیخ کو قید و بند کی سزا ہوئی۔[4]

---

[1] سرگزشت کابل، ص ۹۲

[2] سرگذشت کابل، ۲۲۱ و مابعد؛ نیز ۱۲۷ – ۱۲۸ وغیرہ ماقبل

[3] عرفان، ص ۱۸۱ و مابعد؛ سرگذشت کابل، ص ۱۱۷: ''دوسرا مشن جاپان کو بھیجا گیا اور وہ مولانا برکت اللہ کی تجویز پر بھیجا گیا تھا، کیوں کہ مولوی برکت اللہ کا اثر جاپانی انقلابی نوجوانوں پر تھا...''

[4] عرفان، ص ۱۸۱–۱۸۳؛ سرگذشت کابل، ص ۱۱۷، ۱۴۸، ۱۵۱: دوسرا مشن مولانا برکت اللہ کی تجویز پر مقرر ہوا۔ نیز ص ۱۵۲–۱۵۳: ''دوسرا جاپانی مشن جب روسی سرحد عبور کر چکا تو روس نے ان کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کیا۔''



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اگرچہ ایک اور مشن ''مولانا عبید اللہ سندھی کی تجویز پر ایران کے راستے ترکی بھیجنے کا طے کیا'' لیکن اس میں بہر حال عارضی حکومتِ ہند کے وزیر اعظم کی حیثیت سے مولانا برکت اللہ بھوپالی کا مشورہ اور فیصلہ دونوں شامل تھا، کیوں کہ وہ مشن ان کے عالمی انگریز مخالف اتحاد کے قیام کا ایک حصہ تھا اور ان کے مقاصدِ آزادی اور تحریک انقلاب کو پورا کرتا تھا۔ ترکی مشن کے ارکان عبد الباری اور شجاع اللہ تھے اور وہ بھی روسیوں کی غداری کے سبب انگریزوں کے حوالے کر دیئے گئے اور ان دونوں انقلابی رہنماؤں نے برطانوی ہند کی جیلوں میں قید و بند کی سختیاں جھیلیں، بہر حال یہ مشن بھی ناکام ہی رہا۔[1]

جاپانی مشن کی تین جہات معلوم ہوتی ہیں جن کا ادراک بالعموم مآخذ کے مبہم بیانات سے نہیں ہوتا ہے۔ ایک جہت تو یہ تھی کہ مولانا برکت اللہ بھوپالی کے اثرات سے فائدہ اٹھا کر جاپان کے انقلابیوں کو منظّم و متحد کرنا۔ ان جاپانیوں میں دو طرح کے انقلابی تھے: ایک ہندوستانی طلبہ اور باشندے جو تحریکِ آزادی سے متاثر ہوئے تھے، دوسرے وہ جاپانی نومسلم طبقات جنھوں نے مولانا بھوپالی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اور وہ عالمی اسلامی اتحاد کے منصوبے کے تحت ہندوستان کی تحریکِ آزادی سے بھی وابستہ ہو گئے تھے کہ وہ بھی مسلمانوں کی جدو جہد اور جہاد کے سبب اس کا حصہ تھی۔ ان جاپانی نومسلموں کے دوسرے جاپانی سماجی و سیاسی طبقات اور اقتدار کی محل سراؤں سے بھی روابط تھے۔ دوسری جہت ان کے ذریعہ جاپانی صاحبانِ اقتدار اور اربابِ حکومت کو ہندی تحریکِ آزادی کے قریب لانا اور ہمنوا بنانا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے جاپانی حکومت نے برطانوی حکومت کے جبر و دباؤ کے تحت مولانا برکت اللہ بھوپالی کا ناطقہ بند کر دیا تھا ان کا نقیب 'اسلامی اخوت' (Islamic Traternity) بند کر دیا تھا اور ان کو بعد میں ٹوکیو یونیورسٹی کی ملازمت سے بھی سبک دوش کر دیا تھا، مگر وہ سیاسی دباؤ کے تحت کیا گیا تھا، ورنہ جاپانی حکمتِ عملی انگریزی استعمار کے خلاف تھی اور اسی بنا پر مولانا برکت اللہ بھوپالی کو

---

[1] عرفان، ص ۱۸۲، ۱۸۳؛ سرگذشت کابل، ص ۱۴۸، ۱۵۱-۱۵۳: ''ہر دو مشن مارچ یا اپریل ۱۹۱۶ء میں روانہ کیئے گئے...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اوران کے جلاوطن ہونے کے بعدان کے حامیوں کوانگریز مخالف مہم چلانے کی اجازت دی گئی تھی۔[۱]

تیسری جہت کے ڈانڈے چین کی سلطنت وحکومت سے جا ملتے تھے اوران کا واسطہ جاپانی انقلابی تھے۔نومسلم جاپانیوں کے سیاسی اورنظریاتی روابط چین کے بعض صاحبانِ اقتدار سے تو تھے ہی ان کے روابط بعض سیاسی رہنماؤں سے بھی تھے، خاص کر سن یات سن (Sun yat sen) کے انقلاب اوران کے نظریات ساز اور عاملین سے گہرے روابط تھے۔ جاپانی قوم پرستوں نے خود انگریز دشمن پالیسی اپنا رکھی تھی۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی ان انگریز مخالف عناصر کے ذریعہ چین کے انقلابیوں اورحکمرانوں کو بھی ہندی تحریکِ آزادی سے وابستہ کرنے کے لئے کوشاں تھے جس کے لئے جاپان کومشن بھیجا گیا تھا۔[۲]

دراصل مولانا برکت اللہ بھوپالی کا ذہنی افق اورسیاسی منظرنامہ بڑاوسیع، ہمہ گیر اورمختلف جہاتی تھا۔انھوں نے برطانوی استعمار اور ہندوستان پر برطانوی غاصبانہ حکومت کے خلاف تمام ہم خیال عناصراورتنظیموں کومتحد کرنے کا ایک وسیع ترین خاکہ بنایا تھا اوروہ ان تمام کے انگریز مخالف یا برطانیہ دشمن مساعی کو ہندوستان کی آزادی کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ محض ہندوستانی انقلابیوں یا ان کے قرب و جوار حامی ممالک کی حمایت وموافقت کے ذریعہ ہند کی آزادی کا عظیم ترین مقصد حاصل نہیں کرسکتے ،اس لیے وہ سب کی حمایت کے طالب تھے۔

افغانستان اورترکی اوران کے زیر اثر مسلم طبقات ، علماء اور ممالک کومتحدہ اسلامی سیاسی محاذ (Pan-Islamism) کے ذریعہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک کا ہم نوا بنا چکے تھے اوراس اسلامی حمایت کے پیچھے اسلامی جہاد اور مسلمانوں کی محکومیت اور مسلم ہندوستان پر برطانوی تسلط جیسے اسباب وعناصر کارفرما تھے۔ مادرِوطن کے غیرمسلم

---

[۱] ڈان ڈگمن ،ص ۳۷، ۴۱، ۸۵-۸۷، ۹۷-۹۸؛ شان محمد ،ص ۹۳، ۲۹۳-۲۹۴؛ چوپڑا ،ص ۲۴۴-۲۴۵

[۲] ڈان ڈگمن ،ص ۸۴-۹۰ ومابعد



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



طبقات ۔ ہندو سکھ وغیرہ ۔ اور ان کے سیاسی رہنما اور قائدین بھی اس اسلامی عنصر کی طاقت سمجھتے تھے اور وہ پوری طرح اس سے فائدہ اٹھانے کے حق میں تھے ۔ افغانستان اور ترکی سے باقاعدہ معاہدے اسی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں ۔

چین، جاپان اور نیپال وغیرہ ایشیائی ممالک میں موجود انگریز مخالف عناصر اور برطانیہ دشمن قوتوں کو مولانا بھوپالی نے پان ایشیاٹک اتحاد (Pan-Asiatic Policy or pan Asiaism) کے ذریعہ متحد کرنا چاہا تھا۔ ان تمام ایشیائی طاقتوں میں جاپان اور چین دونوں بہت اہم کردار ادا کر رہے تھے اور وہ سیاسی وفوجی قوت کے مالک بھی تھے۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی نے جاپانی سیاست کے ایک اہم رکن ٹویاما متسرو (Toyoma Mitsuru) کو پوری طرح ایشیائی سوسائٹی میں شامل کر لیا تھا اور اس کا خاصا مضبوط رابطہ سن یات سن سے بھی تھا۔ ڈان ڈگنن نے برطانوی خفیہ دستاویزات کی بنا پر ثابت کیا ہے کہ پان ایشیا ازم نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک کی مولانا برکت اللہ بھوپالی کی کارروائیوں اور اثرات کے تحت پوری حمایت کی تھی اور سیاسی وفوجی مدد دینے کے لئے آمادہ تھی ۔[1]

## سرحدی اور ملکی محاذ

عارضی حکومتِ ہند اور اس کے عہدے داروں نے بعض زمینی حقائق کو بھی سامنے رکھا تھا اور ان کے لئے خاکہ بنایا تھا۔ پان اسلام ازم کے پہلو بہ پہلو ہندو اتحاد بھی آزادی کی تحریک کے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتا تھا کہ وہ مذہبی اتحاد بھی تھا۔ نیپال ایک ہندو ریاست اور ہندو سماج رہا ہے اور اس کے بہت گہرے دینی ، سیاسی ، سماجی اور اقتصادی روابط ہندوستان اور اس کے ہندوؤں سے رہے ہیں ۔ فطری طور سے اس کو بھی ہندوستان کی آزادی سے ہم دردی تھی اور اسی ہم دردی کو فعال معاونت میں بدلنے کے لئے راجہ مہندر پرتاپ نے مولانا سندھی اور مولانا بھوپالی وغیرہ کے مشورے اور تعاون

---

[1] ڈان ڈگنن ،ص ۹۷-۹۸ وغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے نیپال کو ہندی تحریکِ آزادی میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی اور ان سے سیاسی وفوجی معاہدے کرنے چاہے تھے۔[۱]

نیپال کے علاوہ دوسرے علاقوں میں برما، سنگاپور، ملایا اور بعض دوسرے ممالک کے ہندی انقلابیوں کو بھی متحد ومنظم کرنے کا کام ہوا۔

ملکی محاذ کا مسئلہ خاصا مشکل بھی تھا اور آسان بھی۔ آسان اس لئے کہ ان کا مذہب کچھ بھی ہو وہ بہرحال ہندوستانی تھے اور ہندوستان کی آزادی کے دل دادہ۔ اس کے لیے ہندو، مسلمان، سکھ اور دوسرے جاں فروشی کے لئے تیار تھے مشکل یہ تھی کہ مسلم افغانستان اور اسلامی جہادی تنظیموں کی طرف سے اگر سرحدوں پر فوجی کارروائی ہوتی تو اسے بہ آسانی ہندوؤں بالخصوص سکھوں کے خلاف موڑا جاسکتا تھا، جیسا کہ اس سے قبل حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ آزادی کے باب میں ہو چکا تھا۔ مسلم منصوبہ سازوں، سیاسی رہنماؤں اور عارضی حکومت کے ذمہ داروں کو اس خطرے کا پورا ادراک تھا، لہٰذا انھوں نے افغان سرحدوں سے ملحق ہندوستانی علاقوں کے سکھوں سے سیاسی اور فوجی معاہدے کیئے اور ان کو کابل بلاکر ہموار وہم نوا بنایا کہ جو کچھ بھی کارروائی کی جارہی ہے وہ انگریزوں کے خلاف اور برطانوی حکومت کے خلاف ہے اور انھوں نے اسے سمجھ بھی لیا۔...[۲]

---

[۱] سرگذشت کابل، ص ۹۰: ''راجہ مہندر پرتاپ نے مولانا سندھی سے کہا کہ اگر میرے پاس خرچ ہوتا تو میں ریاست نیپال کو ایسا انگریزوں کے خلاف کردیتا جیسے آپ نے افغانستان کو انگریزوں کے خلاف کیا ہے...اور یہ نیپال کو روانہ ہوگیا اور نیپال کی سرحد سے وزیر اعظم نیپال کو اطلاع دی۔'' نیز ص ۱۳۳-۱۳۴، ۱۹۸-۱۹۹

ایضاً ص ۹۵: ''...اور معاملات میں جو پوزیشن شاہ افغانستان کو حاصل ہو اس میں مہاراجہ نیپال کو شریک کرنے کی کوشش کرے،

ایضاً ص ۱۲۵: جب پہلی بار راجہ صاحب نے کابل چھوڑا تو حکومتِ موقتۂ ہند کے لئے تین مرکز تجویز ہوئے: ایک کابل، دوسرا نیپال اور تیسرا بنگال (شمال مشرق)۔ کابل کے مرکز میں کام ہمیں تفویض ہوا۔

[۲] عرفان مذکورہ بالا ومابعد؛ سرگذشت کابل، ص ۹۸-۱۰۳، نیز ص ۱۳۵-۱۳۶: ''اب ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے ایک رکاوٹ تھی اور وہ یہ کہ سکھوں سے معاہدہ کیا جائے۔ ہم نے دو بڑے لیڈر سکھوں کے پنجاب سے اور کابل اور صوبۂ سرحد سے بلوائے...اس پر سکھ لیڈر راضی ہوگئے، اور یہ معاہدہ پختہ ہوگیا....اور کہا کہ جنگ میں ہم آپ کے ساتھ شریک ہوں گے۔''



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## فوجی کارروائی کا محاذ:

سیاسی اور فوجی حکمت عملی اور مختلف عناصر اور قوتوں سے اتحاد و یگانگت کے علاوہ ایک دوسرا محاذ بھی تھا اور وہ تھا عارضی حکومتِ ہند کا فوجی تیاری اور عسکری تعلیم و تربیت کا محاذ۔ اسے جنود اللہ اور جنود ربانیہ کے نام سے یاد کیا گیا ''حکومتِ موقتۂ ہند کے انقلابی پروگرام کی سب سے اہم کڑی ہندوستان پر حملہ کے سلسلہ میں مجاہدین اور سرحدی قبائل کی ایک فوجی تنظیم تھی جو جنود اللہ کے نام (سے) تشکیل دی گئی تھی... مولانا برکت اللہ بھوپالی نے ''جنود اللہ'' کی تنظیم کا کام مولانا عبید اللہ سندھی کے سپرد کیا تھا اور انہی کو یاغستان میں مجاہدین کے ہیڈ کوارٹر کا انچارج بنایا گیا تھا۔... اس تنظیم کا مقصد ترکی فوج کی مدد سے ہندوستان پر حملہ کر کے اسے آزاد کرانا تھا۔ اور اس کا اصل ہیڈ کوارٹر مدینہ منورہ تھا اور دیگر مراکز کابل کے علاوہ قسطنطنیہ اور تہران مقرر کیے گئے تھے۔... اس میں تین سرپرست، ۱۲ فیلڈ مارشل اور دوسرے لیڈر حسب مراتب جنرل، لفٹننٹ جنرل، بریگیڈیر، کرنل اور لیفٹننٹ کرنل کے عہدے رکھے تھے...''[۱]

اس میں مولانا برکت اللہ بھوپالی کا عہدہ لفٹننٹ جنرل کا تھا: ''جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لفٹننٹ جنرل ہے۔ جس خط میں حکومتِ موقتۂ ہندیہ کی تفصیل دی گئی ہے اس میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔''[۲]

اگرچہ اس تنظیم کا مقصد عسکری تربیت دینا اور فوجی تنظیم کرنا تھا، مگر وہ مقصد قطعی حاصل نہ ہوا۔ کچھ تو اس کی تعمیر ہی میں تخریب کے عناصر مضمر تھے۔ مولانا سندھی اور محمد عرفان وغیرہ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی نوجوانوں کو محض کاہلی اور باہمی فتنہ و فساد سے بچانے کے لئے اس تنظیم کی داغ بیل ڈالی تھی کہ بیکاری خرابی کو جنم دیتی ہے، دوسرے یہ کہ بیش تر بزرگان گرامی کے عہدے محض اعزازی تھے اور ان کو فوجی تنظیم و

---

۱۔ عرفان، ص ۱۸۵-۱۸۶ سرگذشت کابل، ص ۹۷-۹۸، ۱۰۳: ''...ہم نے کام کرنے والوں کی ایک جماعت بنائی جسے جنود اللہ کہا جاتا ہے۔ اس میں اگر عسکریت تھی تو اس قدر جتنی سالویشن آرمی میں موجود ہے۔''

۲۔ محمد میاں، مذکورہ بالا، ص ۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تربیت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور تیسرے عام مسلم اور غیر مسلم طبقاتِ ہند اور بالخصوص سرحدی علاقوں کے مجاہدین کو فنی تربیت سے ذرا دلچسپی نہ تھی اور جو ذرا تھی بھی وہ قدیم اور از کار رفتہ قسم کی تھی، جس کا ذکر مآخذ میں برابر ملتا ہے۔ عارضی حکومتِ ہند کا یہ سب سے کم زور محاذ تھا۔

## حملہ کا منصوبہ:

مختلف تحریکاتِ آزادی کے تعاون اور توثیق سے عارضی حکومت ہند نے بالآخر ہندوستان پر فوجی حملے کا منصوبہ بنایا۔ اس کی تفصیلات یہ تھیں کہ:

۱۔ فوجی معاہدہ اور حملہ کے منصوبہ کی اطلاع کابل کے مرکز کو یکم جنوری ۱۹۱۷ء کو دی جائے۔

۲۔ کابل کا مرکز دہلی کے مرکزی ہیڈ کوارٹر کو اس کی اطلاع یکم فروری ۱۹۱۷ء کو دے۔

۳۔ ۹ر فروری ۱۹۱۷ء کو ترکی افواج افغانستان میں داخل ہوں۔

۴۔ ان کی مدد سے قلات و مکران کے قبائل کراچی پر، غزنی و قندھار کے قبائل کوئٹہ پر، مہمند اور مسعودی قبائل درۂ خیبر کے راستے پشاور پر اور کوہستانی قبائل اوگی کے محاذ پر بیک وقت حملے کریں۔

۵۔ ۱۹ر فروری ۱۹۱۷ء کو ہندوستان پر حملہ کیا جائے گا۔

۶۔ اور اسی دن ہندوستان کے طول و عرض میں آزادی کا پرچم بلند کر کے عام بغاوت کر دی جائے۔

۷۔ لیکن آزادی کی یہ تحریک اور عارضی حکومت کی فوجی کارروائیاں اور تحریکات کی مساعی برطانوی حکومت کی بروقت کارروائی سے خاک میں مل گئیں۔ ریشمی رومال کی تحریک اور خفیہ حملہ کا منصوبہ فاش ہو گیا اور برطانوی حکومت نے تدارک کی تدابیر کر لیں۔

۸۔ والیٔ افغانستان امیر حبیب اللہ نے برطانیہ کے ہاتھوں بالائی عراق میں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ترکی افواج کی شکست فاش کے بعد اور بالخصوص آزادی کے حملہ کی خبر کے افشاء کے بعد راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت بھوپالی کو اوائل ۱۹۱۷ء میں افغانستان سے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ لٰہذا دونوں کو کابل کے مرکز سے روانہ ہونا پڑا۔[1]

۹۔ اگرچہ راجہ مہندر پرتاپ پھر افغانستان لوٹے اور مولانا سندھی کی قیادت میں عارضی حکومتِ ہند کام بھی کرتی رہی، تاہم مولانا برکت اللہ بھوپالی کا عارضی حکومتِ ہند سے رشتہ ایسا ٹوٹا کہ پھر نہ جڑ سکا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ دوسرے محاذوں پر کارفرما رہے۔

۱۰۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی نے عارضی حکومت ہند کے پرچم تلے جو پان اسلامک اتحاد اور پان ایشیاٹک متحدہ محاذ کا منصوبہ بنایا تھا وہ ان کے افغانستان بدر ہوتے ہی خاک میں مل گیا۔ بلاشبہ اس ناکامی میں ہندی سائیکی اور فوجی اور سیاسی کم زوری کا بڑا دخل تھا۔

## مصادر و مراجع


(۱) عبداللہ لغاری (مرتب)، مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگذشتِ کابل، اسلام آباد ۱۹۸۰ء

(۲) محمد عرفان، برکت اللہ بھوپالی، عفان پبلیکیشنز بھوپال، جون ۱۹۶۹ء

(۳) محمد میاں، مولانا تحریک شیخ الہند... الجمعیۃ بک ڈپو، دہلی ۱۹۷۵ء

(4) Bamford, P.C. Histories of the Non-Co-operation & khilafat movement, Deep publications, Delhi 1974.

(5) Chopra, P.N, Indian Muslims in Freedom Struggle, Criterion Publications, New Delhi 1988.

(6) Don Dignan, The Indian Revolutionary Problem in British Diplomacy 1914-1919, Allied Publishers


---

[1] عرفان ۱۸۹-۱۹۳؛ سرگذشت کابل ۲۱۳ وغیرہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



Pt Ltd. New Delhi1983.

(7) Gupta, Mammathnath,History of the Indian Revolutionary Movement, Somaiya Publications, Bombay1972.

(8) Muzaffar Imam, Role of Muslims in the National Movement, Mittal Publications, Delhi 1987.

☆

قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات، ان کی بد اعتقادیوں اور بد اعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت و نصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اور اس سے انہیں کیا رہنمائی ملتی ہے؟ اس کتاب میں ان موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری کا مبسوط اور تحقیقی مقدمہ بھی ہے۔

عمدہ کاغذ، آفسیٹ کی حسین طباعت، دیدہ زیب سرورق، صفحات: ۲۹۶ قیمت =/۷۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳ علی گڑھ

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۲۵

© rasailojaraid.com